۸ اپریل ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر —— L. 922
فون نمبر —— 29

ایڈیٹر
آل احمد سرور

قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی بیس پیسے

اشاعت کی تاریخیں
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۱ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۱۴

ادار یہ

کچھ ادبی رسالوں کا ایک خطرناک میلان

ادھر کچھ ادبی رسالوں میں پڑھنے والوں کے خطوط کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر مدح و قدح کے سوا کام کی باتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ مغرب کے موقر رسالوں میں اگر کوئی خط شائع ہوتا ہے تو وہ کسی خاص مضمون یا تبصرے کے سلسلے میں ہوتا ہے، پورے رسالے کے اچھے بُرے مندرجات پر ایک ہوائی فیر نہیں ہوتا۔ ان خطوں میں بھی مراسلہ نگار اپنی رائے خاص تفصیل سے دیتا ہے اور مضمون نگار سے اپنے اختلاف کے وجوہ ظاہر کرتا ہے۔ ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ، نیویارک ریویو آف بکس اور ہمارے یہاں اسٹیٹسمین ویکلی میں جو خط شائع ہوتے ہیں ان میں کسی ایک مضمون کے سلسلے میں رائے ظاہر کی جاتی ہے۔ ہمارے کچھ ادبی رسالوں میں عام طور پر جو خط شائع ہوتے ہیں اُن میں مراسلہ نگار، تمام مضامین، افسانوں، نظموں اور غزلوں کے سلسلے میں چند جملے لکھ دیتے ہیں اور اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ وہ تنقید کے فرض سے عہدہ برا ہوگئے۔ ادبی مضامین اور تخلیقات کے سلسلے میں اختلاف کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے اور اس اختلاف کو سنجیدہ پیرائے میں دلائل کے ساتھ ظاہر کیا جائے تو یقیناً یہ ایک اچھی بات ہوگی لیکن چند جملوں میں نظموں، غزلوں، افسانوں اور مضامین کے متعلق اظہارِ خیال سے کوئی مفید ادبی خدمت نہیں ہوتی۔ اس مراسلہ بازی کے ذریعہ سے ادبی دنیا میں متعارف ہونے کی یہ کوشش کسی طرح مستحسن نہیں کہی جاسکتی۔ ہاں کسی مضمون یا افسانے یا کسی خاص نمبر پر تبصرے کے ذریعہ سے اس کی نمایاں خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈالی جائے تو دوسری بات ہے۔ اس صورت میں مضمون نگار یا ادیب کا جواب بھی شائع کرنا چاہئے تاکہ پڑھنے والوں کو تصویر کے دونوں رُخ دیکھ کر ایک نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہو۔

ہم ادبی رسالوں کے ایڈیٹروں سے اپیل کرتے ہیں کہ مراسلہ بازی کے اس سلسلے کو کم کریں اور کسی ایک تخلیق کے سلسلے میں قدرے تفصیل سے اختلاف تک اسے محدود رکھیں تاکہ بحث و نظر کے دروازے کھلے رہیں مگر رسالوں میں ستائشی کلمات یا تبرّا بازی کی لے زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ موجودہ حالات میں یہ سلسلہ سرٹیفکٹ تقسیم کرنے یا ذاتی عناد کو ہوا دینے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے یا ایڈیٹر کی خوشنودی حاصل کرکے معمولی معیار کی تخلیقات کے لئے فضا ہموار کرنے کے لئے۔ تاثراتی تنقید کی بھی اہمیت ہے مگر خطوط کے کالموں کے بجائے یہ مضامین یا قدرے مفصل تبصروں کی شکل میں ہو تو سب کے لئے بہتر ہوگا۔

اردو کے کچھ ادیبوں کی خدمات کا اعتراف

ہمارے لئے یہ امر بڑی خوشی کا باعث ہے کہ اب راج سبھا کے ایوان میں اردو کی تین ادبی شخصیتیں نظر آئیں گی۔ پنڈت آنند نرائن ملّا ہمارے ممتاز شعرا اور بزرگ ادیبوں میں سے ہیں وہ انجمن ترقی اردو ہند کے نائب صدر اور اترپردیش اردو اکاڈمی کی مجلس عاملہ کے صدر ہیں۔ حال میں انھیں کانگریس کے ٹکٹ پر اترپردیش سے راج سبھا کا ممبر منتخب کیا گیا ہے۔

بہار اسمبلی سے سکندر علی وجد منتخب ہوئے ہیں۔ یہ بھی ہمارے ممتاز شاعر اور انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عام کے ممبر ہیں۔ ان کے علاوہ صدر جمہوریہ نے جناب حبیب تنویر کو جو اردو کے ایک مشہور ڈراما نویس اور ممتاز اداکار ہیں، نامزد کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان نئے ممبروں کی وجہ سے راج سبھا میں اردو کے حقوق کا احساس بڑھے گا اور اردو کے ساتھ اب تک جو بے انصافی روا رکھی گئی ہے اسے دور کیا جا سکے گا۔

اردو کے مصنفین کو ریاستی انعامات

لکھنؤ۔ ریاستی حکومت نے ہندی سنسکرت اور اردو کے مصنفین کو مالیاتی سال ۷۲-۱۹۷۱ء کے دوران ۹۲۲۵۰ روپیہ کے نقد انعامات دئیے ہیں۔

پانچ پانچ ہزار روپیہ کے دو وشِشٹ پرسکار پنڈت رگھوناتھ پانڈے، سابق صدر شعبۂ دینیات وارانسی سنسکرت یونی ورسٹی کو سنسکرت میں ان کے کام پر اور شری سید مسعود حسن رضوی سابق پروفیسر شعبۂ اردو، فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی کو اردو میں ان کی تخلیقات پر دئے گئے ہیں۔

اردو مصنفین کو حسب ذیل انعامات اور دئے گئے ہیں۔

خصوصی انعامات

شری مالک رام نئی دلی "گل رعنا" ۱۰۰۰ روپیہ۔ اے جے زیدی نئی دلی "دو ادبی اسکول" ۸۰۰ روپیہ۔ جی احمد فرقت کاکوروی دلی، "غالب خستہ کے بغیر" ۷۰۰ روپیہ۔

۵۰۰ روپیہ کے متفرق انعامات

اردو کی دو قدیم مثنویاں۔ اے۔ ایل اعظمی، نئی دلی۔ "کاظم جی اور ان کے خیالات" اکرام اللہ بہرائچ۔ "فریب" "تمدن" ڈاکٹر اے۔ ایچ کشمیری سری نگر۔ "منظومات میاں دلگیر" رضا نقوی پٹنہ "کلام نرم و نازک" اور ڈاکٹر کے ڈی۔ گپتا رضا بیتی نیوز مش ساریاں

قومی آواز لکھنؤ

بنارس ہندو یونی ورسٹی سے اردو میں پی ایچ ڈی

سالانہ کانووکیشن پر رام آسرا راز کو ان کے تحقیقی مقالہ "اردو شاعری میں قومی یکجہتی کی روایات از آغاز تا ۱۹۴۷ء" پر بنارس ہندو یونی ورسٹی نے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے۔ رام آسرا راز نے یہ مقالہ شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر حکم چند نیر صاحب کی نگرانی میں لکھا ہے۔

• محمد رفیع انصاری ریسرچ اسکالر
شعبۂ اردو بنارس

محمڈن اسپورٹنگ

مشہور فٹ بال ٹیم محمڈن اسپورٹنگ کی تاریخ اور خدمات سے متعلق ایک کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ قلمی تعاون دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

• جمال غنی، اڈیٹر "محاذ" دیکلی معرفت چارمنگ پریس ۹۳ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۷۳

انیس اور حافظ سے متعلق ہندی کتابوں پر انعام

لکھنؤ۔ یو۔ پی حکومت نے ہندی کے جن ادیبوں کو انعامات دینے کا اعلان کیا ہے ان میں لکھنؤ کے جناب باقر مرزا شامل ہیں۔ انھیں ان کے ناول "درد بے نام" پر پانچ سو روپیہ انعام ملے گا۔

آگرہ کے جناب آر۔ سی۔ سین نے حافظ کی رباعیوں پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس سلسلے میں جناب سین کو پانچ سو روپے کا انعام ملے گا۔

جبل پور کے جناب آر۔ ایل۔ سریواستو کی کتاب مہاکوی انیس اور ان کا کاویہ (شاعر اعظم انیس اور ان کی شاعری) پر بھی پانچ پانچ سو روپے انعام دیا جائے گا۔

قومی آواز لکھنؤ

مسعود ہاشمی

ایم عرفان بھوپالی کے سانحۂ ارتحال پر

ایک مصور، اک مفکر، اک صحافی، اک خطیب
اک مصنف، اک مورخ، ایک شاعر اک ادیب

اٹھ گیا بھوپال سے "بابائے اردو" ہاشمی
اب کہاں سے لائے گی اردو زباں ایسا نقیب

آفاق احمد

بھوپال کے بابائے اردو — ایم عرفان

وہ جنھیں ہم پیار سے بھوپال کا بابائے اردو کہتے ہیں، وہ ایم عرفان صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ وہ جن کی زندگی معنون تھی اس کتاب کے نام جسے ہم اردو کہتے ہیں، وہ عرفان صاحب ہم سے رخصت ہو گئے۔

عرفان صاحب جو ریاست میں رہے تو انھوں نے جلب منفعت کا پیشہ نہیں بنایا، صحافت میں رہے تو اپنی بے خوف تحریروں کا نتیجہ سزا دار حبس بن کر پایا اور جنھوں نے قلم کی پابندی کا جواب موقلم سے دیا، اظہار مدعا کے لئے کارٹونوں کا وسیلہ اپنایا اور جنھیں اپنی حق بیانی اور شعلہ فشانی کے جرم میں آہنی سلاخوں کے پیچھے کی دنیا دیکھنا پڑی۔ وہ رہنما، وہ صحافی اور ساغر نظامی کے الفاظ میں وہ "فرہاد اردو" ہم سے بچھڑ گیا ہے۔

عرفان صاحب یوں تو کئی کتابوں کے مصنف تھے اور انھوں نے ہزاروں صفحات پر مشتمل سیکڑوں ہی مضامین لکھے ہوں گے لیکن ان سب کو ہم بھول بھی جائیں تو اسے کیسے بھولیں گے کہ انھوں نے اپنے رسالہ "شعلۂ حیات" کا مدھیہ پردیش اردو نمبر نکال کر اپنے صوبہ اور اپنے شہر کی ادبی و تہذیبی تاریخ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ بنا دیا۔ وہ یوں بھی یاد رہیں گے کہ انھوں نے جہاں گشت انقلابی برکت اللہ بھوپالی کو اپنی کتاب کے ذریعہ دوبارہ زندہ کیا اور ہماری جنگ آزادی کی ایک ایسی فراموش کی ہوئی داستان کو امر بنا دیا جو آئندہ نسلوں کے لئے ہمیشہ وطن دوستی، ایثار و قربانی اور حوصلہ مند امکانات کا پیغام بن کر دلوں کو گرماتی رہے گی۔

ایم عرفان صاحب گذشتہ ۵۰ برسوں سے انجمن ترقی اردو ہند سے وابستہ تھے۔ ۱۹۷۵ء میں انھوں نے اپنی سرگرمیوں سے خون نچوڑ کر اس کے تن مردہ میں زندگی کے آثار پیدا کئے اور بھوپال میں ایک صوبائی اردو کنونشن منعقد کیا جس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ حالانکہ یہ کنونشن انھیں بہت مہنگا پڑا اور انھیں اپنی اولاد کی حق تلفی کر کے اپنے آبائی مکان کا بڑا حصہ کوڑیوں کے مول فروخت کرنا پڑا جس کے لئے وہ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "اس کے ہر موڑ پر ایک سہرا ہا ہے"۔ کیونکہ سوال اردو کی عزت کا تھا اور اپنے وقار کا بھی اور انھوں نے تو دونوں کو ہی ہمیشہ لازم و ملزوم کہا۔ اس لئے روپیہ کی فراہمی کا کوئی اور ذریعہ نہ دیکھ کر وہ قربانی دی جسے بھولنا احسان فراموشی ہوگا۔ اور پھر اس شان سے صوبائی اردو کنونشن کیا کہ اسے امر بنا دیا۔ رہی سہی کسر ان کے شعلۂ حیات کے خاص نمبر نے پوری کر دی۔

عرفان صاحب ۹ سال تک صوبائی انجمن کے جنرل سکریٹری رہے۔ پھر ۱۹۶۵ء سے وہ بھوپال انجمن ترقی اردو کے صدر منتخب ہوئے اور اپنی علالت تک اس عہدے پر سرفراز رہے۔ وہ بھوپال غالب صد سالہ کمیٹی کے بھی صدر رہے اور انھوں نے غالب صدی کے پروگرام کی جو روپ ریکھا تیار کی وہ صرف ان کا ہی حصہ تھی۔

عرفان صاحب وعدے کے پکے، وقت کے پابند اور اصول پرست انسان تھے۔ "حلقۂ ارباب ادب" کو ہمیشہ ان کی محبت اور تعاون محض اس لئے حاصل رہا کہ اس کے جلسے وقت پر شروع ہوتے تھے۔

عرفان صاحب کے دماغ میں ایک سر ہزار سودا کے مصداق ہمیشہ اردو کی ترقی کے نت نئے منصوبے جنم لیا کرتے تھے۔ وہ اردو کے عاشق تھے، اردو ان کی محبوبہ تھی۔ لیکن کس نے کاہے کو کبھی اپنی محبوبہ کو اتنا چاہا ہوگا جتنا عرفان صاحب نے اردو کو چاہا!

عرفان صاحب کا آخری کارنامہ غالب، اقبال اور دوسرے بعض شعراء کے اشعار سے ان کے اسکیچ بنانا تھا۔ ان کی طبیعت دشوار پسند اپنے اظہار کے ہمیشہ انوکھے انداز تلاش کرتی تھی، لیکن وہ ہر منزل دشوار گزار سے فرحاں و شاداں گزرنے کا سلیقہ جانتے تھے۔

ان کی کون کون سی بات یاد کی جائے۔ بھوپال انھیں کبھی فراموش نہ کرے گا۔ وہ زندہ رہیں گے اپنے کارناموں کے روپ میں، اپنے دوستوں کے دل میں اور اپنی زبان اردو کے نام سے۔ جب بھی اردو کے نام کے ساتھ عرفان صاحب کا نام آئے گا تو ان کے کارنامے یاد آئیں گے اور مورخ کی جبیں جگمگانے لگے گی۔

حسرت سہروردی

غزل

زندگی درد سہی درد نبھانا ہوگا
غم و آلام کے نغمات کو گانا ہوگا

مصلحت کا ہے تقاضا کہ زباں بند رہے
وقت رہ رہ کے یہ کہتا ہے سنانا ہوگا

عشق کی آگ میں جل جل کے بجھے ہیں ہم لوگ
مگر اس ہم سے بھلا کون دِوانا ہوگا

کوئی آواز تو آئے کوئی پتّا تو ہلے
دل کے بہلانے کا کوئی تو بہانا ہوگا

بوجھ ایسا بھی نہیں ہے کہ اٹھائے نہ بنے
ہاں ذرا اس کو سلیقے سے اٹھانا ہوگا

رات کے درد کو کتنا ہی ہے کٹ جائے گا
ہاں ذرا شمع کی لو اور بڑھانا ہوگا

ڈوبتے سایوں کے ہمراہ چلا ہوں حسرت
نہیں معلوم کہاں میرا ٹھکانا ہوگا

عبدالقوی دسنوی

دوانہ مر گیا آخر......

۱۹ مارچ کو شعبۂ اردو سیفیہ کالج میں انجمن تحقیق اردو کی ایک نشست تھی۔ مولانا محوی صدیقی اس جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ سید حیدر عباس رضوی اپنا مضمون "عباس رفعت شروانی" سے متعلق پڑھ چکے تھے اور سامعین تاثرات کا اظہار کر رہے تھے کہ اخلاق اثر شعبۂ اردو میں داخل ہوئے اور اطلاع دی کہ ام عرفان رخصت ہوئے۔ تھوڑی دیر کے لئے گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ جیسے گفتگو کے لئے کچھ باقی نہ ہو۔ پھر سکوت ٹوٹا تو ام عرفان مرحوم کے بارے میں بات چیت شروع ہوئی اور انتہائی رنج و غم کے عالم میں جلسہ ختم ہوا۔

ام عرفان دراز قد اور چھریرے بدن کے آدمی تھے۔ آنکھیں چمکتی ہوئی، چہرہ دمکتا ہوا، سر پر سفید بال، چست پائجامہ اور شیروانی زیب تن، پاؤں میں عام طور سے سلیم شاہی جوتے۔ کبھی سنجیدہ، کبھی مسکراتے ہوئے اور کبھی زور و شور سے بحث میں مصروف، مکمل عرفان صاحب کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔

میں نے جب بھی انھیں دیکھا زیادہ تر کبھی سائیکل پر سوار اپنے کام میں مگن، کبھی پیدل سیماب صفت، وہ دھن کے بڑے پکے تھے اور بات کے سچے۔ جو کہا اسے سچ کر دکھانے کی کوشش کی اور جو کرتے اس پر بس نہیں کرتے بلکہ دوسرے، پھر تیسرے کام کو ہاتھ لگا بیٹھے۔

شرقی عثمانی صاحب کی کتابوں کی دکان پر اکثر ملاقات ہوتی تھی یا تو وہ پہلے سے وہاں تشریف رکھتے اور مسند صدارت پر جلوہ فرما ہوتے یا پھر محفل جمی ہوتی ہے اور وہ آ گئے، سائیکل سے نیچے اترے، ہاتھ بینڈل پر اور گفتگو شروع، موضوع جو کچھ ہو ام عرفان صاحب بات چیت میں حصہ ضرور لیں گے اور اس انداز سے جیسے وہ موضوع کے ہر پہلو سے اچھی طرح واقف ہیں اور پھر اپنی گفتگو سے وہ یہ بات ثابت بھی کر دیتے۔ لیکن اگر موضوع بھوپال اور اس کے ماضی سے متعلق ہے تو پھر دیکھئے انداز گفتگو، اقبال گفتار، نواب صاحب کے شکار کی بات ہو، یا نواب شاہجہاں بیگم کی تعمیرات کی، نواب سکندر بیگم کے سفر کے واقعات ہوں یا فوج دار محمد خاں کے کتب خانہ کی، علماء، مولانا عباس رفعت کی تصانیف کا ذکر ہو یا نواب یار محمد خاں شوکت کی غالب سے شاگردی کا، ہر موضوع پر اعتماد کے ساتھ گفتگو کرتے کتابوں کے حوالے اور صفحات کے نمبر گناتے چلے جاتے، اور پھر اس عمر میں وہ آپ سے اس قدر بولتے اس قدر بولتے کہ لاجواب ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا لیکن ان کے انداز گفتگو میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، ابھی ایک صاحب تھک کر الگ ہوئے کہ دوسرے صاحب سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا، اسی دم خم کے ساتھ جس سے پہلے سے گفتگو ہو رہی تھی۔

عرفان صاحب فرانسیسی خاندان کے ایک نامور فرد تھے، باپ اچھے صاحب نفیس ریاست بھوپال کے نامی گرامی شاعر اور ادیب، ان کا دربار بھوپال سے بڑا گہرا تعلق تھا، چنانچہ ام عرفان صاحب کے بچپن اور جوانی کا زمانہ بڑے عیش و آرام اور شان شوکت سے گزرا، البتہ آخری زمانہ میں وہ کچھ پریشان رہنے لگے تھے لیکن ان کے روشن چہرے پر اس کے اثرات کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔

اچھے صاحب نفیس کے بیٹے کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر نفاست بھری ہوئی تھی، اور اس میں کسی زمانہ میں فرق نہیں آیا۔

وہ اردو کے عاشق تھے، سچے عاشق، ایسے عاشق جو اپنے آپ کو اس کی زندگی کے لئے قربان کر دے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جائداد اردو کی خدمت کے لئے بیچ دی، دنیا دیکھتی رہی اور وہ مٹتے رہے اور اردو کی خدمت کرتے رہے۔

کبھی "آرٹ اور کلچر" کے نام سے رسالہ نکال رہے ہیں، کبھی "شعلۂ حیات" کو روشن کر رہے ہیں اور اس کا مدھیہ پردیش اردو نمبر نکالنے کے لئے پریشان ہیں، اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے چلتے پھرتے اردو نمبر بس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔

غالب صدی میں غالب پر پروگراموں کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اب ان پر غالب سوار ہے، نہیں نہیں وہ غالب پر سوار ہیں، مسئلہ جشن منانے کا ہے، چراغاں کرنے کا ہے، بڑے تالاب میں کشتیوں کو سجانے کا ہے، غالب کی بڑی تصویر بنانے کا ہے پھر ایک بڑی تصویر پوسٹر کے لئے تیار ہو گئی، سیفیہ کالج میں بہت سے غالب کے عاشق جمع ہیں، فخر الدین صاحب بھی پیش پیش ہیں، تصویر انتخاب کر رہے ہیں۔ اس میں یہ خوبی ہے اس میں وہ خرابی ہے اور آخر سب نے مل کر غالب کے بڑے عاشق ام عرفان کی بنائی ہوئی تصویر کا انتخاب کیا اب تصویر کے چھاپنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ام عرفان صاحب نے آرٹسٹ کا لبادہ اتار کر چھاپے خانہ کے مستری کا لباس زیب تن کر لیا ہے وہ اب چھپائی کی مشین پر سوار ہیں، تصویر کسی طرح اچھی چھپ جائے بس یہی آرزو ہے اور اسی کے لئے کوشاں، تصویر چھپ گئی نہ اچھی نہ بری۔ لوگ تنقید کر رہے ہیں اور وہ دوسری تیاریوں میں مصروف، ایک تصویر اور بنانے کی دھن ہے غالب کے شعروں سے غالب کی تصویر تیار کرنی ہے۔ شعروں کا انتخاب ہو رہا ہے۔ چشم و ابرو کے لئے، خال و خط کے لئے، لب و دہن کے لئے، اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ غالب کے شعروں نے غالب کی صورت اختیار کر لی۔ اور پھر غالب کی تصویر مختلف رنگوں میں چھاپی گئی، سب نے پسند کیا، بھوپال نے پسند کیا، ہندوستان نے پسند کیا۔

اسی جوش میں ایک تصویر اور تیار ہو گئی، اردو کے دوسرے بڑے شاعر اقبال کی وہی ان کے شعروں اور مصرعوں سے پھر ارادہ ہوا کہ دوسرے شعرا کی تصویریں بھی تیار کی جائیں میرے پاس ایک طویل فہرست لے کر آئے، گھنٹوں گفتگو ہوتی رہی، پھر کئی بار اس سلسلے میں بات چیت ہوئی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ کام آگے بڑھ رہا ہو گا کہ ایک دن

جب ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ برکت اللہ بھوپالی ان کی زندگی میں داخل ہو گئے ہیں۔ داخل تو بہت پہلے ہوئے تھے لیکن اب ان کی حیات مکمل کر کے شائع کرنے کا پختہ ارادہ ہو گیا تھا۔ اب نہ غالب کا ذکر ہے نہ اقبال کا اور نہ کسی دوسرے شاعر کا۔ سب ان کی ذہن کی فہرست سے خارج کر دئے گئے ہیں سوائے برکت بھوپالی کے۔ اب ام عرفان ہیں اور برکت اللہ بھوپالی۔ راستے میں ملاقات ہو گئی سنٹرل لائبریری سے آرہا ہوں، برکت اللہ بھوپالی کے سلسلے میں ایک کتاب کی تلاش ہے ابراہیم پورہ میں تیزی سے جا رہے ہیں عینک کے بعد مسکرا تے ہوئے ذرا پریس جا رہا ہوں، کام مکمل ہو رہا ہے۔ پیچھے سے کسی نے آواز دی مڑ کر دیکھا۔ عرفان صاحب، معلوم ہوا پلاسٹک کی جلد تیار ہو رہی ہے۔ مختلف رنگ اور قسم کے پلاسٹک کے ٹکڑے ہاتھ میں۔ اب انتخاب ہو رہا ہے رنگوں کا۔ اور پھر ایک دن وہ آیا، ابراہیم پورہ میں عرفان صاحب ملے۔ چہرہ شگفتہ، سگریٹ ہاتھ میں اور دھواں فضا میں گھولتے ہوئے 'ارے یہ ہاتھ میں کیا ہے' کیا کتاب مکمل ہو گئی اور پھر کتاب سامنے۔ اللہ اللہ کس اہتمام کے ساتھ کتاب شائع ہوئی ہے۔ سچ ہے ام عرفان نے جنگ آزادی کے اس مجاہد کو جسے دنیا بھلا چکی تھی ایک بار پھر زندگی عطا کر دی۔ اور اس مجاہد کی یہ دوبارہ زندگی ام عرفان کی ابدی زندگی کی ضمانت بن گئی۔ اہل بھوپال نے اس کتاب کی اشاعت پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور مختلف جگہوں پر جلسے کر کے ام عرفان کے اس کام کی عظمت کا اعتراف کیا اور ان کی شخصیت کا احترام۔

اس سلسلے میں شعبۂ اردو سیفیہ کالج میں بھی ام عرفان صاحب کو دعوت دی گئی، سکریٹری سیفیہ کالج جناب فخر الدین صاحب نے جو اس شہر کی آبرو کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے گزشتہ کاموں کو سراہتے ہوئے اس کتاب کی اشاعت پر تھیلی پیش کی۔ جوابی تقریر میں عرفان صاحب رونے لگے خوشی اور مسرت سے مغلوب ہو کر۔ اور سارے حاضرین ہنس رہے تھے اور ام عرفان بھی ہنسنے لگے۔ اس وقت ان کے چہرے پر آنسو کے قطرے کھلے ہوئے گلاب پر شبنم کے قطرے کی طرح چمک رہے تھے۔

اور آج اسی کمرے سے ہم لوگ ان کے انتقال کی خبر پا کر باچشم تر اور بادل پر غم اٹھے البتہ زبان پر یہ مصرعہ بار بار آرہا تھا۔

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

عزیز خلیل

غزل

(ناصر کاظمی کی زمین میں)

پشت کے پاؤں سے اب میرے جادہ کیا کرتا
خلا سے آگے سفر کا ارادہ کیا کرتا

کبھی تو روح کو میری برہنہ ہونا تھا
کٹا پھٹا یہ بدن کا لبادہ کیا کرتا

چلی تھی قطرے سے پہنچی مگر سمندر تک
میں تشنگی میں اب اس سے زیادہ کیا کرتا

میں نے ٹھیک کیا خوں سے داستاں لکھ دی
کسی کے دل پہ اثر حرف سادہ کیا کرتا

تری خموشی ہی تھی ساری گفتگو میری
میں تجھ سے بات بھی اس سے زیادہ کیا کرتا

مراسلات

بکٹ کہانی کے نسخۂ رامپور کے متعلق

بکٹ کہانی کے مصنف کے وطن کے بارے میں میں نے ایک مراسلہ ہماری زبان میں شائع کیا تھا اس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید یہ شخص "کالپی" سے متعلق تھا اور اسی جستجو میں بات غازی پور تک پہنچی تھی۔ یہ بحث اس بنیاد پر تھی کہ پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب نے بکٹ کہانی کے مقدمہ میں نسخۂ رامپور کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

"بکٹ کہانی از محمد افضل کالپی"

محترم امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے اس سلسلے میں ۱۴ر جنوری ۱۹۵۸ء کو جو خط پروفیسر نورالحسن ہاشمی کے نام لکھا تھا یہاں نقل کیا جاتا ہے:

رضا لائبریری، رامپور
۱۴ر جنوری ۱۹۵۸ء

مکرمی تسلیم مع التکریم

بکٹ کہانی میں کوئی تاریخ کتابت نہیں ہے۔ نیز سرورق پر کچھ بھی نہیں لکھا ہے کہ اس کا مصنف کون ہے اور کہاں کا ہے۔ بس پہلے صفحے پر "بکٹ کہانی" لکھا ہے اور نظم کے آخر میں ایک شعر میں افضل تخلص آیا ہے۔ والسلام

احقر عرشی

پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب کے پیش نظر اس مخطوطے کی صرف نقل تھی۔ اس نقل کے سرورق پر کاتب نے 'کالپی' یا غالباً 'کاپی' لکھا ہے لیکن یہ بھی اس کاتب کا اضافہ ہے، اصل سے اسے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

علی گڑھ۔ • محمد انصار اللہ •

استفسار

میرے پاس پدماوت کا ایک منظوم اردو مخطوطہ ہے اس کے مصنف غلام علی عشرت صاحب ہیں اور رام لال ضلع آگرہ نے مورخہ ۲۹ر ستمبر ۱۸۵۰ء مطابق نومیں بدی کنوار سمت ۱۹۰۸ ۱۲۵۹ فصلی بروز یکشنبہ اس کو نقل کیا ہے اس کے کل اوراق ۱۴۰ ہیں پہلا ورق غائب ہے۔

قارئین ہماری زبان میں سے اگر کوئی صاحب یہ بتا سکیں کہ غلام علی عشرت کون تھے کس سن میں ان کا انتقال ہوا، اور شعرا میں ان کا کیا مرتبہ ہے تو میں بڑا ممنون و مشکور ہوں گا۔

• توفیق احمد قادری چشتی نیشنل بکڈپو امروہہ۔

ڈائریکٹر خط کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام چند خطوط

(۱)

اطلاع نامہ موصول ہوا۔ شکریہ۔ جواباً گذارش ہے کہ یہاں اردو کی تعلیم کے لئے ایک انجمن قائم ہے جس کی ایک شاخ تعلیم بالغان بھی ہے۔ انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ سردست ۲۰۰ لوگوں کو اردو زبان کی ابتدائی تعلیم دلوائی جائے اور اس پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے جناب کی امداد کی متدعی ہے۔ مقامی طور پر زبان اردو کی توسیع کے لئے یہ انجمن سبھی انتظامات کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔

عرض ہے کہ بیس افراد کے لئے کورس روانہ فرمائیں۔ ضروری ہدایات بھی ساتھ ہی روانہ فرمائیں۔

نئی دلی۔ • سرفراز احمد صدیقی

(۲)

جناب ڈائرکٹر صاحب

آپ کا دگیاپن اردو میں خط و کتابت کورس کے متعلق دیکھا۔ جان کر تسکین ہوئی کہ ملک میں اردو زبان کی ترقی کے لئے اب بھی کچھ لوگ مشغول ہیں۔ میں اردو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ آپ کے اس کورس کے ذریعے یہ اہم زبان میں سیکھ سکوں گا، یہ سوچ کر بے انتہا خوشی ہے۔ کرپا کر کے بالتفصیل کرم دیرودش پتر بھیجیں۔

بجانسی۔ • جے۔ ایس۔ نامدیو

(۳)

مجھے اردو سیکھنے کا شوق شروع سے رہا ہے اور سیریم سیکھنے کے پریاس میں میں نے شروع قاعدہ پڑھا اور اکشروں کی پہچان رکھتا ہوں۔ پرنتو لکھے ہوئے خط اور کتاب کو پڑھنے کی شکتی نہیں ہے۔ گاؤں میں جب کوئی اردو کے کاغذ پڑھنے کو کہتا ہے تو سر نیچا دکھائی پڑتا ہے۔

آپ کی اتی کرپا ہوگی اگر میں پڑھنے لکھنے کی یوگیتا کو پراپت کر سکوں۔

• سکھدیو راج

(۴)

آپ کا پتہ مجھے ایک دوست سے ملا۔ تب مجھے امید ہوئی کہ آپ مجھے اردو زبان سکھا دیں گے۔ میں ہندی، انگریزی اور تھوڑی بہت سنسکرت بھی جانتا ہوں مگر بدنصیبی سے اردو نہیں پڑھ سکتا۔ حالانکہ گھر میں والد صاحب اور والدہ بہت اچھی اردو جانتے ہیں۔ والد صاحب تو اردو ہی میں بی۔ اے ہیں۔ میں ابھی بی۔ ایس۔ سی کے پہلے سال میں پڑھ رہا ہوں میں نہ تو اردو میں خط لکھ ہی سکتا ہوں اور نہ پڑھ سکتا۔ کیا بتاؤں، گھر پر جب خط آتے ہیں بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے لیکن کیا کروں، بہت چاہ کر بھی اور بہت کوشش کے بعد بھی اردو نہیں پڑھ سکا۔

لہٰذا اب آپ مہربانی کر کے اپنی اسکیم بتائیے اور فیس وغیرہ بھی لکھئے۔ جیسے ہی مجھے آپ کا خط ملے گا میں فیس وغیرہ بھجوا دوں گا۔ آپ کے اس کورس میں اندازاً کتنا وقت لگے گا؟ یہ بھی بتائیے گا۔ میں نے اپنا

پتہ پیچھے لکھا ہے یقین ہے آپ کا مہربان خط جلد سے جلد ملے گا۔

اجمیر۔ • محمد رفیق

(۵)

میرا لڑکا عبدالعزیز جس نے ہندی سے مڈل کیا ہوا ہے اور وہ اردو کا خواہش مند ہے۔ ہم نے اخبار نشین میں آپ کا اشتہار دیکھا تھا۔ اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اردو سیکھنے والے کو ایک فارم بھیج دیں تاکہ ہم اس کو بھر دیں اور آپ کی فیس روانہ کر دیں میں اپنا پتہ اوپر درج کر چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ فارم ضرور روانہ کریں گے اور آپ کے پاس اردو کی کوئی لٹریچر ہو جو بچوں کے کام آ سکے تو ہم اپنے اسکول کے لئے بھی منگا سکتے ہیں ہمارے اسکول میں قریب ۱۰ بچے اردو کی تعلیم پا رہے ہیں۔

آگرہ۔ • عبدالعزیز ولد شیخ عبداللہ کارپینٹر

(۶)

کچھ روز ہوئے میں نے دھرم یگ ہفتہ وار میں آپ کا ایڈورٹائزمنٹ دیکھا میں بہت خوش ہوا یہ جان کر کہ آپ نے اردو جیسی زبان کو خط کتابت کے ذریعہ ہندی سے گھر بیٹھے پڑھانے کا انتظام کیا ہے۔ اس عمر میں میری بڑی خواہش کہ میں اردو جیسی اچھی زبان سیکھوں لیکن دنیاداری کے چکر مجھے اتنا وقت نہیں دیتے۔ آپ کے اس انتظام سے امید ہے کہ اردو پڑھ جاؤں گا۔ آپ سے درخواست ہے کہ میرا نام اپنے اراکین میں شامل کریئے اور متعلقہ نصاب وغیرہ ارسال فرمایئے۔

نئی دلی۔ • وی۔ ایس۔ گپتا

(۷)

ہم نے آپ کی طرف سے بھیجی ہوئی اردو سیکھنے والی پہلی کتاب سماپت کر لی ہے اس میں مجھ کو کوئی بھی کٹھنائی محسوس نہیں ہوئی ہے اور میں آپ کو دوسری منزل کی کتاب کے لئے آرڈر کرتا ہوں۔ آس ہے آپ دوسری کتاب ارسال کریں گے اور میں ساتھ ہی آپ کو ارزو (عرض) کرتا ہوں کہ میرے اس خط میں جو غلطی ہے مجھ کو بتا دیں گے میں آپ کا آبھاری ہوں گا۔ آکھر (آخر) میں آپ کے اس قدم پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

نئی دلی۔ • کرن جیت سنگھ

(۸)

بعد سلام کے واضح ہو کہ میرا بچہ سید الطاف علی بخاری آپ کے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خط کتابت اردو کورس کا متعلم ہے۔ اس کو آپ کے ذریعہ دوسری کتاب گذشتہ اکتوبر میں ارسال کی گئی تھی۔ اس نے اس کو بخوبی ختم کر لیا ہے۔ وہ اب لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اس نے آپ کے خط کے جواب میں ناقدانہ رائے لکھ کر روانہ خدمت کی ہے۔ ہمیں ابھی تک تیسری کتاب موصول نہیں ہوئی ہے برائے مہربانی بہت جلد تیسری کتاب روانہ فرمایئے گا۔ انھیں کتابوں سے میں نے اپنے دو اور بچوں کو بھی تعلیم دی ہے۔ بہت مفید ثابت ہوئیں۔

(۹)

بعد آداب کے گزارش یہ ہے کہ میں آپ کے یہاں اردو پڑھنے والا بدیارتھی ہوں میں آپ کے یہاں سے پہلی کتاب لیچکا ہوں میں نے اسکو بڑے اطمینان سے ختم کر لیا ہے اور اب دوسری کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ میری اس تحریر کو پڑھ کر ضرور کتاب دینے میں جلدی کریں گے۔ کتاب میں جو حمد لکھی ہوئی ہے۔ اس کو میں آپ کے سامنے نمونے کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

نئی دلی۔ • یاسین خاں

اردو میڈیم اسکول

میں روزنامہ قومی آواز کے ذریعہ محکمۂ تعلیمات اتر پردیش کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جو گرانٹ محکمہ کی طرف سے اردو میڈیم اسکولوں کے لئے نگر مہاپالیکا لکھنؤ کو بھیجی گئی تھی وہ ابھی تک ان لوگوں کو نہیں دی گئی ہے جو باضابطہ سرکاری کریکولم کے مطابق تعلیم دے رہے ہیں اور جو اردو میڈیم کے ساتھ رکگنائزڈ ہیں۔ یہ رقم ۱۹۸۱ء میں تقسیم کرنے کے لئے آئی تھی اور پورا سال گزر جانے کے بعد بھی نگر مہاپالیکا کے پاس جوں کی توں رکھی ہے۔ اس سلسلے میں نگر مہاپالیکا کے شعبہ تعلیم کو کئی بار توجہ دلائی جا چکی ہے۔ مگر کوئی تسلی بخش اور صحیح جواب نہ مل سکا۔ اس سال بھی یہ گرانٹ ۸۲-۱۹۸۱ء کے لئے نگر مہاپالیکا کو ملنے والی ہے لہٰذا محکمۂ تعلیمات کے ذمہ داروں سے گزارش ہے کہ اردو میڈیم کے رکگنائزڈ اسکولوں کو دونوں سال کی گرانٹ تقسیم کر دی جائے۔

• محمد حسین
بشکریہ قومی آواز

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا پریس نوٹ

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے حسب ذیل پریس نوٹ جاری کیا ہے "گورنر کے خطبے پر قرارداد تشکر کے ضمن میں ۲۰ مارچ کو تقریر کرتے ہوئے شری پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ریاستی اسمبلی میں کہا کہ

"ریاستی حکومت اردو کی ہمت افزائی کی خواہاں ہے اور اس زبان کو اس کا جائز مقام دینے کے لئے ایک سرکاری حکم بھی جاری کر دیا گیا ہے:

اس کے دوسرے دن کونسل میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے اسی سلسلے میں کہا کہ

"اردو والوں کے لئے سرکاری ملازمتوں کے ضمن میں سرکاری حکم نشان (۱۸۰۰) جاری کر دیا گیا ہے اور وہ اس بارے میں تمام وضاحتوں کا حامل ہے۔"

اور جس سرکاری حکم کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اسے پڑھ کر عوام خود یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ کس حد تک اس حکم سے اردو کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور کس طرح اردو کو اس کا جائز مقام دیا گیا ہے اور اردو والوں کے لئے سرکاری ملازمتوں کے ضمن میں وہ کس طرح تمام وضاحتوں کا حامل ہے۔

سرکاری حکم نشان ۱۸۰۰ م ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

"چونکہ تعلیم کی ہر سطح پر گریجویشن کی حد تک تلگو ذریعہ تعلیم اختیار کر لیا گیا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کو علاقائی زبان سے کافی واقفیت حاصل ہو تاکہ وہ اس زبان میں تعلیم دے سکیں اس لئے حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ آندھرا پردیش ایجوکیشنل سروس اور آندھرا پردیش ایجوکیشنل سبارڈینیٹ سروس کی حسب ذیل جگہوں پر آئندہ تقررات کے لئے علاقائی زبان میں مہارت کو شرط اولین قرار دیا جائے۔

(۱) گزیٹیڈ ہیڈ ماسٹر اور گزیٹیڈ انسپکٹر آف اسکولز

(۲) گورنمنٹ کالجوں کے پرنسپل

(۳) گورنمنٹ کالجوں کے ایسے لکچرر جو زبان کے علاوہ دوسرے مضامین پڑھاتے ہیں۔

(۴) اسسٹنٹ لکچرر، ٹیوٹر جو زبانوں کے علاوہ دوسرے مضامین پڑھاتے ہیں اور ڈیمانسٹریٹر

(۵) اسکول اسسٹنٹ، ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس اور ہیڈ ماسٹر گریڈ اول و گریڈ دوم، جونیر لکچرر اور جونیر کالجوں کے پرنسپل جو اشخاص علاقائی زبان کے ذریعہ سے پی۔ یو۔ سی انٹرمیڈیٹ یا ڈگری کورس میں تعلیم پائیں۔ ان کے متعلق یہ تسلیم کیا جائے گا کہ انھیں اس زبان میں مہارت حاصل ہے بنا برآں حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کسی ایسے ادارے میں جہاں علاقائی زبان ذریعہ تعلیم ہے مذکورہ بالا جگہوں پر پالیسی اور تدریسی جائداد پر کوئی شخص راست تقرر کا اہل نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس نے انٹرمیڈیٹ، پی۔ یو۔ سی یا ڈگری کورس میں اس زبان کے ذریعہ سے تعلیم حاصل نہ کی ہو اس قسم کے امیدوار نہ ملنے کی صورت میں ان جگہوں پر تقرر کے لئے ایسے اشخاص اہل سمجھے جائیں گے جنھوں نے ادنے جماعتوں میں مذکورہ بالا زبان کے ذریعہ سے تعلیم پائی ہو یا ایسے اشخاص جنھوں نے انٹرمیڈیٹ پی۔ یو۔ سی یا ڈگری کورس میں وہ زبان بحیثیت ایک مضمون کے پڑھی ہو۔ زبانیں پڑھانے والے اساتذہ (یعنی انگریزی تامل، اردو وغیرہ پڑھانے والے) کے لئے اس شرط پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ان اساتذہ کو تاریخ تقرر سے چار سال کے اندر تلگو دانی کا اسپیشل ٹسٹ (اعلیٰ معیار) جو عہدہ داران محکمۂ تعلیم کے لئے مقرر ہے کامیاب کرنا ضروری ہوگا کیونکہ ان اساتذہ کے لئے بھی تلگو سے کچھ واقفیت ضروری ہے۔

• نامہ نگار

انجمن کی شایع کردہ علمی کتابیں

۱۔	اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیر	۵٫۵۰
۲۔	اطلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۵٫۰۰
۳۔	ارتقائے فلسفہ	مظفر حسین خاں	۵٫۵۰
۴۔	آئینۂ حقیقت	پنڈت حبیب الرحمٰن شاستری	۲٫۰۰
۵۔	تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲٫۰۰
۶۔	سیر افلاک	حکیم احمد	۵٫۰۰
۷۔	شعور نہاں	مجنوں گورکھپوری	۲٫۰۰
۸۔	فن تحریر کی تاریخ	محمد اسحاق صدیقی	۷٫۵۰
۹۔	گاندھی اور نہرو کی راہ	ڈاکٹر سید عابد حسین	۵٫۰۰
۱۰۔	نفسیات اور جنس انتخاب	ڈاکٹر محمد عابدی	۴٫۵۰
۱۱۔	ہندی مسلمانی جغرافیہ کے سیاسی اصول	ڈاکٹر انشورہ ڈوبا	۲٫۲۵
۱۲۔	ہندوستانی اخبار نویسی	مرتبہ عتیق صدیقی	۱۲٫۰۰
۱۳۔	یادگار ذوق	جگر بریلوی	۶٫۵۰
۱۴۔	یادگار حالی	صالحہ عابد حسین	۴٫۵۰

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

اخبار و اذکار

درجہ ۵ تک تمام مضامین کی اردو میں تعلیم

لکھنؤ:- پی۔ٹی۔آئی کی ایک اطلاع کے بموجب ریاستی محکمۂ تعلیم نے چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کی ایک اسکیم کے تحت ضلع پریشدوں کے ان پرائمری اسکولوں میں اردو ٹیچر مقرر کئے ہیں جہاں اردو پڑھنے کے خواہشمند طالب علموں کی تعداد کسی کلاس میں کم از کم دس اور اسکول میں چالیس ہو۔ اردو اکاڈمی کے سکریٹری کے استفسار پر محکمۂ تعلیم نے صورت حال کی وضاحت کی ہے اور ۱۳؍مارچ کے ایک سرکلر میں بتایا ہے کہ اس اسکیم کے تحت مقرر کئے جانے والے ٹیچر درجہ ا سے درجہ ۵ تک تمام مضامین اردو کے ذریعہ پڑھائیں گے۔

اردو میڈیم میں تعلیم کے لئے پرائمری اسکولوں کے واسطے جو درسی کتابیں منظور کی گئی ہیں وہ اردو زبان میں دستیاب ہیں۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

مہاتما گاندھی میموریل لیکچرس

بمبئی:- سال گزشتہ کی طرح اس سال بھی مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر بمبئی کی طرف سے "مہاتما گاندھی میموریل لیکچرس" کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں ہندوستان کے مشہور ماہر اقتصادیات و تعلیم اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے سابق چیرمین ڈاکٹر سی۔ڈی۔ دیشمکھ نے "ہندوستانی قومی زبان یا عوامی زبان" کے عنوان پر تین خطبے دئے۔

ڈاکٹر دیشمکھ نے اپنا پہلا خطبہ گاندھی جی کے اس اعلان سے شروع کیا جو انھوں نے اپنی شہادت سے صرف ایک ہفتہ قبل زبان کے سلسلے میں ہونے والے اختلافات سے خفا ہو کر کیا تھا۔ انھوں نے اقبال کی نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا "میں اس خوبصورت نظم کی زبان کو کیا نام دوں، ہندی ہندوستانی یا اردو؟ مجھے یہ بات علی الاعلان کہنے دو کہ جیت بالآخر نہ سنسکرت آمیز ہندی کو ہوگی نہ فارسی آمیز اردو کو اگر ہوگی تو وہ محض ہندوستانی کو۔"

اس حوالے کے بعد فاضل مقرر نے ہندوستانی کے متعلق سنہ ۱۹۰۹ سے لے کر سنہ ۱۹۴۸ تک گاندھی جی کے جو کچھ خیالات تھے ان پر روشنی ڈالنے کے بعد بتایا کہ گاندھی جی نے ہندوستانی کو قومی زبان بنانے کی تلقین کی تو ان کا مقصد علاقائی زبانوں کو ختم کرنا نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ علاقائی زبانوں کو بھی پروان چڑھنے کا پورا پورا موقع حاصل ہو اور ہندوستانی ان سب کو قریب کرنے کا ایک ذریعہ بنے۔ اور لوگ دیوناگری اور اردو رسم خط سیکھیں۔

دوسرے خطبے میں انھوں نے ہندی، ہندستانی اور اردو سے متعلق کانگریس کی وضاحتوں کا حوالہ دیا اور انگریزوں نے براہ راست یا بالواسطہ ہندوستانی کے نام سے جو اردو ادب تیار کیا اس پر روشنی ڈالی اور پھر ۱۹۴۸ء کے بعد مجلس دستور ساز کے اندر اور باہر قومی زبان اور اس کے رسم خط کے متعلق مختلف گوشوں سے جو آوازیں اٹھیں ان کا حوالہ دے کر بتایا کہ کس طرح مجلس دستور ساز نے گاندھی جی کے نظریات کو پس پشت ڈال کر ہندی کو دیوناگری رسم خط میں ہندستان کی قومی زبان قرار دیا۔ تیسرے خطبے میں انھوں نے بتایا کہ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں کسی زبان کو تین زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے، بول چال کی زبان، ادبی زبان اور فنی زبان۔ پہلی سطح پر رسم خط کی چنداں اہمیت نہیں ہے اور یہی وہ سطح جس کو ہندوستانی کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ گلیوں، بازاروں اور سنیماؤں میں مل جاتی ہے اور ان میں سنسکرت، عربی، فارسی الفاظ کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ دوسری سطح پر ہندی اور اردو اسی زبان کے دو ادبی رخ ہیں انھیں اگر اور توانا بنانا ہے تو علاقائی زبانوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ان کے دائرۂ اثر کو بڑھانا چاہئے اور جہاں تک تیسری سطح کا تعلق ہے، ہندی عربی، فارسی الفاظ کا سہارا نہیں لے سکتی اور اردو سنسکرت کا سہارا نہیں لے سکتی کیونکہ اس سے نہ ہندی، ہندی رہ جاتی ہے اور نہ اردو، اردو۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ہم کسی کلاسیکی زبان کا سہارا لئے بغیر خود علاقائی زبانوں سے اپنی ضرورت کے الفاظ چینی یا غیر ملکی الفاظ کو جاپانی کی طرح جوں کا توں استعمال کریں۔ بنگلہ دیش کے حالات نے ہمیں بتا دیا ہے کہ اب زمانہ علاقائی زبانوں کے عروج کا ہے۔ کوئی ایک زبان اوپر سے لادی نہیں جا سکتی۔ پہلے دن کی صدارت کے فرائض گورنر مہاراشٹر جناب علی یاور جنگ نے انجام دئے انھوں نے جامعہ عثمانیہ کے تجربات کی روشنی میں بتایا کہ ایک زبان کا ادب دوسری زبان میں منتقل کرنا کس قدر مشکل ہے۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایک بار فن تعمیر پر ایک کتاب کا جامعہ کے لئے ترجمہ کیا گیا اس میں ایک لفظ تھا SPIRAL STAIRCASE کسی کو اس کے لئے کوئی موزوں لفظ نہیں مل رہا تھا۔ یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ جب میں دلی گیا اور وہاں ایک استاد سے رجوع کیا گیا تو اس نے فوراً کہا اس کو ہم گھمیری سیڑھی کہتے ہیں۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو، ہند کی ادبی و لسانی خدمات کو سراہا اور کہا کہ انجمن کی شائع کی ہوئی کتاب "اصطلاحات پیشہ وراں" اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے اور اس قسم کے کاموں کو اور وسیع پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے۔

انھوں نے کہا کہ یوپی اور ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں میں اردو کے ساتھ جو سوتیلی ماں کا سا سلوک ہو رہا ہے اس کو اردو والے بری طرح محسوس کرتے ہیں۔ ہندی اب قومی زبان بن چکی ہے ہندوستان میں جہاں بہت سی علاقائی زبانیں فروغ پا رہی ہیں اردو کو بھی ترقی کا پورا پورا موقع ملنا چاہئے۔

• نامہ نگار

فراق گورکھپوری پر دو روزہ سیمنار

اردو کے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری پر شعبۂ اردو گورکھپور

یونی ورسٹی کے زیر اہتمام حال ہی میں ایک دو روزہ سیمینار منعقد ہوا۔

سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے اترپردیش کے گورنر ڈاکٹر بی۔ گوپالا ریڈی نے کہا کہ "اردو کو بیسویں صدی میں جو رعنائی اور دلکشی حاصل ہوئی ہے اس میں بہت بڑا ہاتھ فراق کا بھی ہے۔" انھوں نے مزید کہا کہ "فراق صاحب دیکھنے میں بہت معصوم اور نادان معلوم ہوتے ہیں لیکن اپنے وقت کے بہت بڑے دانا ہیں۔ لگتا ہے کہ یہ اپنے چہرے کی شرافت اور زبان کی شرارت سے خوب کام لیتے ہیں"۔

مشہور نقاد پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ "ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کے فن میں اتنی جان ہو کہ ان کی زندگی ہی میں لوگ اس کی قدر کو پہچان لیں۔ فراق کے کلام میں یہ بات موجود ہے"۔ انھوں نے گورکھپور یونی ورسٹی کو اور خاص طور پر شعبۂ اردو کو مبارکباد دی کہ اس نے فراق کے سلسلے میں یہ سیمینار منعقد کیا۔ سرور صاحب نے مزید کہا کہ "فراق کے یہاں میر کے رنگ کے اشعار بھی مل جائیں گے مصحفی کی لسیت بھی مل جائے گی اور غالب کے خیالات کی تہیں بھی مل جائیں گی لیکن ان سب کے باوصف ان کے یہاں ایک انفرادیت ہے اور ایک مخصوص انداز ہے جس پر ان کی شخصیت کی مہر ثبت ہے"۔

پروفیسر احتشام حسین نے اپنی مختصر تقریر میں فراق کی شاعری کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

سیمینار کی کارروائی شروع کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر محمود الٰہی نے کہا کہ کسی شاعر کے اکتسابات کی صحیح قدر و قیمت اس وقت تک متعین نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے تشکیلی دور کے خد و خال واضح نہ ہو جائیں۔ اسی لئے گورکھپور یونی ورسٹی نے فراق کے تشکیلی دور کے تنقیدی جائزے کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا ہے۔ یہ سیمینار اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

یونی ورسٹی لائبریری میں فراق کی تصانیف اور ان سے متعلق دوسری دستاویزات کی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

الہ آباد یونی ورسٹی، دہلی یونی ورسٹی، علی گڑھ یونی ورسٹی اور لکھنؤ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے اکثر اساتذہ نے سیمینار میں شرکت فرما کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

• محمر لاری شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی

اردو زبان کے لئے جائز مقام کا مطالبہ

حیدرآباد ۹۔ ریاستی اسمبلی میں پہلی مرتبہ چند ارکان نے اردو زبان کی وکالت کی جن میں اپوزیشن کے ارکان شامل ہیں جناب سید رحمت علی (کانگرس) نے اردو زبان کے ساتھ مکمل انصاف روا رکھنے کے لئے اردو کو اس کا جائز مقام دئے جانے پر زور دیا اس خصوص میں انھوں نے ریاستی چیف منسٹر جناب پی۔ وی۔ نرسمہا راؤ کی وزارت اعلیٰ کا قلمدان حاصل کرنے کے بعد کی نشری تقریر کا حوالہ دیا جس میں اردو کو ریاست میں اس کا جائز مقام دلانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ جناب رحمت علی نے کہا کہ اردو نہ صرف ریاست بلکہ ملک کے کروڑہا عوام کی بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔ جناب شفیع الرحمٰن اور جناب سید حسن (مجلس) نے اردو کے ساتھ ریاست میں ناانصافی روا رکھنے پر احتجاج کیا اور کہا کہ حکومت اردو کے ساتھ صرف زبانی ہمدردی کا اظہار کر رہی ہے اور عملاً اردو کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جا رہی ہے اس طریقہ کار کو تبدیل کیا جانا چاہئے۔

جناب جی۔ گڈ ناڈ (کانگرس) نے اردو زبان کی پرزور وکالت کی اور کہا کہ اردو ہر حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو کو اس کا حق دیا جانا چاہئے۔ اسپیکر اسمبلی جناب بی۔ وی۔ نگا ریڈی نے نشست اردو میں کہا کہ اراکین کو گورنر کے خطبہ پر اظہار خیال کرنا چاہئے اردو کے تعلق سے انھیں بعد میں موقع دیا جائے گا۔

• سیاست حیدرآباد

اردو کو نمایاں مقام دینے کا تیقن

حیدرآباد ۹۔ ریاستی وزیر آثار قدیمہ جناب ایم۔ آر۔ شیام راؤ نے خیر مقدمی تقاریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانگرس نے اسمبلی کے چناؤ کے دوران عوام سے جو وعدے کئے تھے ان کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی۔ وزیر موصوف نے کہا کہ اردو زبان کسی خاص طبقہ کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ تمام ہندستانیوں کی اپنی زبان ہے اس ملک میں اس زبان کو بھی نمایاں مقام دینے کی کوشش کی جائے گی۔

• سیاست حیدرآباد

"ہماری زبان"

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور دیں۔ منیجر

تحریک آزادی میں اردو کا اہم رول

حیدرآباد:- مولانا حافظ ابو یوسف ایم ایل سی نے کونسل میں اردو زبان کی اہمیت اور افادیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے ممتاز سیاسی قائدین اردو شاعری کے ذریعہ مسائل حاضرہ کی ترجمانی کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے مختلف مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ جب اخباری نمائندوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے ملک کی بعض ناکامیوں کی وجوہات دریافت کیں تو پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک عظیم انتخابی جلسہ میں سوالات کا جواب اس شعر میں دیا۔

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں
گر پڑے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے

اسی طرح وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے حیدرآباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ پاکستان سے تعلقات خوشگوار بنانے کے لیے باہمی گفتگو خیر سگالی کیوں نہیں کی جاتی جس نے صدر پاکستان ایوب خاں سے لندن میں اس خصوص میں گفتگو کی اور انھوں نے بھی باہم دیگر خوشگوار تعلقات کے قیام کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ اس کے باوجود واپسی پر ایوب خاں نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا اور یہ مثال صادق آئی۔

تم ہوئے برگشتہ وہ بھی میرے بجھانے کے بعد
داستان درد بھی اور سلجھانے کے بعد

٭سیاست حیدرآباد

اردو کے مسائل کی یکسوئی کے لئے اجتماع

حیدرآباد:- اردو کے موقف سے متعلق ریاستی اسمبلی میں چیف منسٹر جناب پی وی نرسمہا راؤ کے تازہ بیان اور وضاحت پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے حیدرآباد کے کئی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی اداروں نے تمام مسائل کی یکسوئی کے لئے چیف منسٹر کی جانب سے اردو نمائندوں، سرکاری انتظامیہ اور ارکان مقننہ کا ایک مشاورتی اجتماع منعقد کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ بیان میں یہ توقع ظاہر کی ہے کہ چیف منسٹر اپنی اولین فرصت میں نظم و نسق تعلیم عدلیہ اور دوسرے شعبوں میں اردو کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آندھرا پردیش گزٹ میں ایک سرکاری اعلامیہ شائع کرنے کی ضرورت کو پورا کریں گے۔

٭سیاست حیدرآباد

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

اجتماع میں جہاں ہم ایک دوسرے کی زبان سے بڑی حد تک ناواقف تھے۔ ڈاکٹر دیکن نے جس اجلاس کی صدارت کی اس میں وہ کارروائی ہندی میں چلاتے رہے جس پر جنوبی ہند والوں کو بجا طور پر اعتراض بھی ہوا۔ ہندی والوں کو اپنی برتری کے احساس کا اس طرح مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کہ دوسری زبانوں کو شکایت پیدا ہو۔ ہندی ہماری قومی زبان ہے لیکن وہ اب تک تمام ملک میں علمی اور ادبی ہی نہیں بلکہ عام بول چال کی زبان بھی نہیں بن سکی ہے۔ ہندی میں گفتگو کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم انھیں جو ہندی نہیں سمجھتے نظر انداز کر رہے ہیں اور بہتوں نے یہ محسوس بھی کیا۔ ہندی کے وہ ادیب جو مدعو نہ تھے انھوں نے تو اس سمینار کا بائیکاٹ کیا لیکن وہ ادیب جو مدعو تھے نہ جانے کیوں اس سمینار کے بعد کے اجلاسوں میں کم ہی دیکھے گئے۔ انھیں کیا شکایت تھی یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

۲۸ اپریل کو اردو، سندھی، پنجابی اور کشمیری کی شام کی صدارت کھگوتی چرن ورما نے کی۔ زبانوں کو حروف تہجی کے لحاظ سے جگہ ملی تھی لازمی طور پر اردو کا نمبر آخر میں آیا۔ اردو کے ادیبوں کی ترتیب بھی حروف تہجی کے لحاظ سے تھی۔ ابتدا میں وقت سندھی کو ملا، اور بعض ادیبوں نے ضرورت سے زیادہ وقت لے لیا۔ یہیں سے گڑبڑ کی ابتدا ہوئی۔ کشمیری کے دینا ناتھ نادم کو اس لئے واک آؤٹ کرنا پڑا کہ وہ انگریزی یا کشمیری میں بولنا چاہتے تھے جبکہ ان سے ہندی میں بولنے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ یہ مطالبہ کسی طرح حق بجانب نہیں تھا۔ اردو کی باری آنے تک مکالمے کی تلخی و تندی اس نقطے پر پہونچ چکی تھی کہ اس کے آگے مکالمہ صرف منقطع ہو سکتا تھا، اس کا جاری رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ چنانچہ اردو کے کئی ادیبوں کو کچھ کہنے سننے کا بھی موقع نہ ملا اور شام مصنفین بے معنی دبے نبض شب کی خاموشی میں گم ہو گئی۔ آواز اور لفظ جو مکالمے کو وسعت اور معنی دے سکتے ہیں، یا تو شور میں دب گئے یا خاموشی کے صحرا میں ڈوب گئے۔

مشاعرے میں اردو کے صرف چار شاعر شریک تھے عام مشاعروں کے برخلاف، ان میں سے ہر شاعر کو کم یا زیادہ ادبی اعتبار حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بھی ادبی لحاظ سے معتبر شعرا کی بڑی تعداد موجود ہے لیکن سب کے بلائے جانے کا توقع نہ تھا۔ عام مشاعروں میں تو بدترین سے بدترین قافیہ پیمائی حتی کہ ناموزونیت و ناشعریت تک کو لوگ ہنسی خوشی جھیل لیتے ہیں مگر حیرت اس پر ہے کہ اس محفل میں ایسا نہیں ہوا۔ کیوں؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔

(باقی آئندہ)

وحید اختر

میرا صفحہ

کتابوں کے عالمی میلے کے ساتھ نیشنل بک ٹرسٹ نے ہندوستانی مصنفین کے ایک کیمپ کا بھی دلی میں اہتمام کیا تھا، جس کا افتتاح ۲۲ر اپریل کو ہوا، اور جو ۳۰ر اپریل تک جاری رہا۔ اس کیمپ میں ہندوستان کی سولہ زبانوں (بشمول انگریزی) کے ادیبوں، شاعروں اور نقادوں نے شرکت کی۔ ایک وفد روسی مصنفین کا بھی تھا جو مبصر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ دلی کے اردو، ہندی، پنجابی اور دوسری زبانوں کے لکھنے والے بھی بطور مبصر مدعو کیے گئے تھے۔ نیشنل بک ٹرسٹ نے اتنے بڑے پیمانے پر شاید پہلی مرتبہ ایک سو سے زائد لکھنے والوں کو جمع کیا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے لکھنے والے ایک دوسرے سے قریب آئیں، مشترکہ مسائل پر تبادلۂ خیال کریں۔ جنوبی ہند کے ایک مشہور ادیب رچپن کے مصنف نے اپنے مضمون میں اس خیال کا بجا طور پر اظہار کیا تھا کہ آزادی سے پہلے تو علاقائی زبانوں کے لکھنے والے قومی اہمیت و حیثیت حاصل کر لیتے تھے کیونکہ اس وقت انھیں جد و جہد آزادی کا مشترکہ پلیٹ فارم میسر تھا، لیکن آزادی کے بعد ہمارے بڑے سے بڑے لکھنے والوں کی شہرت محض علاقائی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کیمپ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ علاقائی اور لسانی حدود کو توڑ کر ادیبوں کو قومی سطح پر ایک دوسرے سے متعارف کیا جائے۔ سیمینار نے یہ مقصد کسی حد تک پورا بھی کیا۔

اس کیمپ کے دو پروگرام اہم تھے، ایک تو پانچ روزہ سیمینار جس میں مشترکہ اہمیت کے مسائل پر مضامین پڑھے گئے اور بحثیں ہوئیں۔ دوسرے مختلف لسانی گروہوں کے ادیبوں کے ساتھ ایک ایک شام ترتیب دی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ قارئین اور مبصرین کو ڈیلیگیٹوں سے براہِ راست مکالمے کا موقع ملے۔ پہلا پروگرام کامیاب رہا، دوسرا ایک حد تک ناکام۔ خصوصاً انگریزی، ہندی، پنجابی، کشمیری اور اردو کی شامیں شخصی چشمکوں، تلخیوں اور افراتفری کی نذر ہو گئیں۔ ان میں بھی خصوصیت اردو کے پروگرام کو حاصل رہی۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ دلی میں جہاں ان زبانوں کے لکھنے والوں کی بڑی تعداد جمع ہے تمام لکھنے والوں کو بطور ڈیلیگیٹ مدعو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ ممکن بھی نہیں تھا اس لیے کہ سولہ زبانوں کے سو مصنفین کا انتخاب، نہ صرف تمام زبانوں سے کیا جانا تھا، بلکہ مختلف علاقوں کی نمائندگی بھی منتظمین کے پیش نظر تھی کوئی بھی انتخاب بڑی حد تک قطعی اور سو فی صد درست نہیں ہو سکتا۔ اردو کے جو مصنفین مدعو تھے ان میں میرے ساتھ سردار جعفری، ڈاکٹر عابد حسین، سجاد ظہیر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، خواجہ احمد فاروقی اور ڈاکٹر محمد حسن تھے۔ سجاد ظہیر عین وقت پر باہر چلے گئے، بیدی کسی وجہ سے آ نہیں سکے۔ اگر کسی کو ان ناموں پر اعتراض تھا جو شریک تھے، تو اعتراض کی یہ گنجائش کسی دوسری فہرست میں بھی اتنی ہی رہتی ہے۔ چند شکایات کی بنا پر اردو کے پروگراموں میں جو منظر پیش کیا گیا اور جس کی وجہ سے نہ صرف اردو کی شام بلکہ ہندی، پنجابی اور اردو کے مشترکہ مشاعرے میں اردو مشاعرے کا حصہ بھی ایک حد تک کامیاب نہ ہو سکا، اردو والوں خصوصاً اردو کے ادیبوں شاعروں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ دوسری زبان والوں نے یہ اثر لیا کہ اردو والوں میں آپس کے جھگڑے بہت ہیں اور یہ تاثر بھی ہو سکتا ہے کہ اردو ادب کو اب کوئی سنجیدگی سے نہیں سنتا۔

اردو، ہندی، پنجابی اور کشمیری ادیبوں کے ساتھ ایک شام ۲۸ر اپریل کو رکھی گئی۔ اس سے قبل صرف انگریزی ادیبوں کو جن کی تعداد بہت کم تھی، پوری ایک شام دی گئی۔ کسی اور ہندوستانی زبان کو پوری ایک شام نہیں ملی۔ ہندوستانی زبانوں کے ادیبوں کو جو ادبی اعتبار، باوجود ان کی علاقائی اہمیت و شہرت کے حاصل ہے، وہ انگریزی میں لکھنے والے ہندوستانیوں کو باوجود اس کے کہ انھیں ساری دنیا میں پڑھا جا سکتا ہے، انگریزی میں نہ حاصل ہے، نہ حاصل ہو سکتا ہے۔ انگریزی عالمی رابطے کی زبان ہے اور اس حیثیت سے اس کی اہمیت ہے لیکن مجھے اس بات میں شک ہے کہ یہ زبان ہمارے تخلیقی اظہار کی زبان کبھی بھی بن سکتی ہے۔ انگریزی حکومت کے زمانے سے آج تک کوئی ہندوستانی انگریزی ادیب اوّل تو کیا دوسرے درجے کا ادیب انگریزی والوں میں تسلیم نہیں کیا گیا، جبکہ ہندوستانی زبانوں کے کئی لکھنے والے اگر انھیں دنیا سے متعارف ہونے کا موقع ملے تو عالمی معیاروں پر پورے اتر سکتے اور صفِ اوّل کے ہم عصر ادیبوں میں جگہ پا سکتے ہیں۔ سیمینار میں بھی انگریزی والوں کو تناسب سے زیادہ ہی موقع دیا گیا۔ مجھے یہ تسلیم ہے کہ انگریزی ہندی اور اردو کے مقابلے میں بھی ہمارے ملک کے ادیبوں اور دانشوروں میں زیادہ آسانی سے تمام ملک میں سمجھی جا سکتی ہے لیکن تخلیقی ادب کے مباحث میں اس زبان کے ہندوستانی ادیبوں کو علاقائی زبانوں کے ادیبوں پر کسی طرح فوقیت نہیں ملنی چاہیے۔ مباحث کے لیے تو یقیناً انگریزی ہی مناسب ترین زبان تھی خصوصاً ایسے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلیشر سید تفضل حسین ایم اے نے [illegible] پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا